ڈاکٹر خیال امروہوی شاعرِ فکر و انقلاب

رضیہ سلطانہ، لیکچرر، گورنمنٹ کالج برائے خواتین، لیہ

Abstract

Doctor Khyal Amrohvi was a popular poet and thinker. In this article the elements of resistance have been explored from his poetry. He was dreamer of social change through progressive way of life.

ڈاکٹر خیال امروہوی کثیر الجہتی شخصیت کا نام تھا۔ وسیع المشرب، انسان دوست، اعلیٰ ظرف، وسیع القلب، بندہ نواز جیسے سینکڑوں القاب اس ہستی کو زیبا تھے۔ وہ اپنی ذات میں انجمن تھے۔ اصل نام سید علی مہدی نقوی تھا۔ ۱۰ دسمبر ۱۹۳۰ء کو امروہہ میں پیدا ہوئے۔ امروہہ نے صرف مصحفی ہی کو پیدا نہیں کیا، بلکہ رئیس امروہوی اور جون ایلیا بھی اسکے فرزند تھے۔ موخرالذکر دونوں ڈاکٹر خیال کے قریبی رشتہ دار تھے۔ ڈاکٹر خیال کا بچپن بڑے ناز ونعم سے گزرا۔ گھر میں تین تین نوکر نوکرانیاں موجود ہوا کرتی تھیں۔ اسکول تک بستہ اُٹھا کر جانے کے لیے الگ نوکر ہوا کرتا تھا۔ والد محترم حاجی حسن نقوی، اعلی درجے کے وکیل تھے۔ قیامِ پاکستان کے وقت ان کے والد ہندوستان میں اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتے ہوئے پاکستان آ گئے۔ کچھ عرصہ حیدر آباد (سندھ) میں گزارا۔ پھر لاہور آ گئے۔ مختلف کاروبار شروع کیے مگر ناتجربہ کاری ناکامی میں تبدیل ہوگئی۔ مسلسل ناکامیاں مایوسی میں بدل گئیں اور بالآخر ضعیفی میں بے سروسامانی کے عالم میں غذا اور دوا کے لیے ترس ترس کے دم توڑا۔

ڈاکٹر خیال نے لاہور سے فارسی میں ایم اے کیا اور لاہور میں ہی انجمن ترقی پسند مصنفین میں شامل ہو گئے۔ ۱۹۶۹ء میں ایران چلے گئے اور ''عقائد مزدک'' کے عنوان سے مقالہ لکھ کر پی.ایچ.ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اس قدر مستقل مزاج تھے کہ تا دم مرگ ترقی پسندی کے ساتھ منسلک رہے۔ ''عقائدِ مزدک'' کے عنوان سے مقالہ لکھ کر پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری ایران سے حاصل کی۔ ۱۹۵۶ء سے ۱۹۶۴ء تک تلاشِ روزگار میں سرگرداں رہے۔ ۱۹۶۴ء میں عارضی طور پر لیکچرار کی اسامی پر تعینات ہوئے۔ اس دوران میں علی پور اور شکر گڑھ بھی تعینات رہے مگر ۱۹۶۶ء میں مستقل طور پر لیہ آ گئے۔ لیہ ان کو اس قدر پسند آیا کہ لیہ کی مٹی کو اوڑھ کر، ابدی نیند سو گئے۔ ۱۴ مئی ۲۰۰۹ کا دن، لیہ کی فکر و دانش کو علم وفن کی روشنی سے محروم کر گیا۔ لیہ کی شناخت کا یک معتبر حوالہ، جس نے صحرا تھل کے لوگوں کو ۴۵ سال تک اپنے علم کے سایہ اور دانش کے ثمر سے مسلسل فیض یاب کیے رکھا۔[۱]

حقیقی شاعر مفکر بھی ہوا کرتا ہے، شاعر پیدا ہوتا ہے بنا نہیں کرتا۔ شاعری ایسی نعمت غیر مترقبہ ہے جو ہرگز اکتسابی نہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر مفکر شاعر ہو مگر یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ہر شاعر مفکر ہوا کرتا ہے۔ خیال ایک عظیم مفکر ہیں دوسرے مفکروں کی طرح وہ بھی حقیقت اشیا آفرینش کائنات اور مبداحیات کی تلاش میں غلطاں و پیچاں رہتے ہیں خیال کے اشعار طنطنے

میں غالب سے کسی طرح فروتر نہیں کیونکہ ہم ان میں جدت اور طرزِ بیان کی انفرادیت پاتے ہیں۔ڈاکٹر خیال اپنی تراکیب جدید تشبیہات اور استعارات کے استعمال میں منفرد اور ممتاز ہیں۔۲

خیال امروہوی ایک مفکر شاعر ہیں۔ان کا قلم فقط ذہنی تعیش یا جذباتی و ہیجانی بخارات کے اخراج کے لئے آلۂ کار نہیں بلکہ وہ ایک سنجیدہ نظامِ فکر کے حامل اور پر چارک ہیں۔پھر وہ معروضیت اور استخراجیت کے دلدادہ ہیں وہ داخلی و موضوعی مسائل کی موشگافیوں میں نہ خود اُلجھتے ہیں اور نہ اپنے مخاطب کو اُلجھاتے ہیں وہ اپنے اس نظریئے کے قائل ہیں کہ جو علم ہمارے حواس خمسہ کی رسائی سے باہر ہے اس پر غور کرنا اور غور کرنے کی دعوت دینا عبث ہے یہ بظاہر سیدھا سادھا نظریہ بھی دراصل اختلافی مباحث کا شاہ درہ ہے۔خیال امروہوی اپنے خیالات وافکار کے مجموعی تاثر کے لحاظ سے انقلاب پسند شاعر ہیں۔زندگی میں جمود اور یک رُخے پن سے انہیں شدید نفرت ہے۔ہلچل، ہنگامہ اور مسلسل تبدیلی ان کے نزدیک زندگی کے لوازم ہیں۔یہ امر خوش آئند ہے کہ ان کا نعرہ انقلاب بے جہت اور بے مقصد نہیں۔وہ تحریک برائے تحریک اور انقلاب برائے انقلاب کے قائل نہیں ہیں۔ان کے انقلابی افکار ایک مخصوص پسِ منظر اور پیش منظر رکھتے ہیں۔سماج کے شکستہ رسوم و اطوار کے انہدام اور تخریب کے بعد وہ تہذیب وتمدن کی رخشندہ اقدار کا تعمیری پروگرام بھی پیش کرتے ہیں۔گویا ؎

ہے جستجو کہ خُوب سے ہے خوب تر کہاں؟ ۳

ڈاکٹر خیال امروہوی نے اپنی انقلابی آواز کو بڑے شدومد سے اٹھایا ہے لیکن چوں کہ وہ فن شعر گوئی پر مکمل دسترس رکھتے ہیں اس لئے انقلابی گھن گرج کے ساتھ شعریت بھی برقرار رہتی ہے اور کسی جگہ شعر کے فنی تقاضے مجروح نہیں ہوتے۔ان کی شاعری نری نعرہ بازی نہیں بنتی بلکہ ہر جگہ شعری حسن کی جلوہ گری ملتی ہے۔۴ خیال امروہوی ایک ایسے انفرادی لب و لہجے کے مالک ہیں جو صرف انہیں کا حصہ کہا جا سکتا ہے۔ان کی مثال ایک ایسے چراغ کی مانند ہے جو شدید آندھیوں اور منہ زور طوفانوں کے باوجود جل رہا ہے۔وہ داخلی احساسات و کیفیات بیان کرنے کے بجائے اردگرد پھیلی ہوئی محرومیوں اور انصافیوں کا ذکر کرتے ہیں۔انہوں نے اپنی ذات کا رونا کبھی نہیں رویا بلکہ پوری انسانیت کے دکھوں اور سماجی ناہمواریوں کو اپنے اشعار میں سمو دیا ہے۔یوں ان کی شاعری علاقائی حد بندیوں سے نکل کر آفاقی قدروں کی امین بن گئی ہے۔۵

خیال، تخیل، فن اور ابلاغ:

خیال نے اپنے کلام میں جن مسائل کو فکرو بیان کا موضوع بنایا ہے آگ کی طرح جلتے ہوئے انگاروں کی طرح دہکتے ہوئے اور خون کی طرح کھولتے ہوئے ہیں۔ان مسائل و موضوعات کی داخلی شدت نے شاعر کے لہجے کو شدید جذبات انگیز بنا دیا ہے۔شاعر نے عصری کشمکش کو جس شدت سے محسوس کیا ہے اس سے زیادہ شدتِ بیان گرم گفتاری اور شعلہ نوائی کے ساتھ پیش کیا ہے۔خیال کے کلام میں پُر از ہیجان، پُر از اضطراب و انقلاب، استعارات وتشبیہات، علامات و کنایات اور تراکیب کا وفور ہے۔جو شاعر کی قومی اور قد آور قوت ابلاغ کی منہ بولتی شہادت ہے اور اس کی غیر معمولی دردمند حساسیت کا ثبوت ہیں۔ڈاکٹر خیال امروہوی کا تخیل پرشکوہ ذہن حساس اور اندازِ بیان پختہ اور مکمل ہے۔۶

خیال کے یہاں جہد مسلسل اور سعیٔ پیہم کے مضامین وافر مقدار میں ملتے ہیں اور یہ اس کے ترقی پسندانہ نقطۂ نظر کی قوی دلیل ہے۔وہ رفیق بزم قلندراں بھی ہے اور جلیس ہفت اسمانیاں بھی۔سعی وپیہم اس کے نزدیک کیف وکم حیات کی میزان

ہے۔ اس کے کلام میں ایک جذبہ ہے۔ ایک اُمنگ ہے آگے بڑھنے کی اُمنگ، عناصر فطرت کی تسخیر کی اُمنگ، مذہب کو ادہام باطلہ اور بدعات سئیہ سے پاک کرنے کی آرزو غرضیکہ اس کے یہاں عظمتِ آدم کے پرکیف ترانے بھی ہیں اور بشر کی ادہام دوستی خودغرضی اورابن الوقتی کا نوحہ بھی۔ ۷

ڈاکٹر خیال امروہوی کا تخلیقی اور تحقیقی سفر:

خیال نے پچاس سے زائد مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب کا ادبی ترکہ یادگار چھوڑا ہے۔ فکری سفر ۱۹۶۷ء تا ۱۹۸۳ء ''مقتل جان'' پہلا مجموعہ کلام ۱۹۶۷ء۔ ''گنبد بے در'' دوسرا مجموعہ کلام ۱۹۷۳ء۔ ''لمحوں کی آنچ'' تیسرا مجموعیہ کلام ۱۹۷۵ء۔ ''عصرِ بے چہرہ'' چوتھا مجموعہ کلام ۱۹۸۲ء۔ ''خلیج طبقات'' پانچواں مجموعہ کلام ۱۹۸۳ء۔ ''تلخاب'' چھٹا مجموعہ کلام ۱۹۸۴ء تا ۱۹۸۷ء۔ ''قوانین'' سحر ۱۹۹۴ء ساتواں مجموعہ کلام۔ ''چراغِ فردا'' (نیا مجموعہ کلام) نئے اُفق نئی کرنیں (کُلیاتِ) عقاید مزدک، ایران کا عظیم انقلابی مزدک، نئی سوچ، سبز کتاب، شعلہ تحریر، حضرت علی کا تصور ریاست، دانش لازوال، ملوکیت شکن، خیال نمبر شخصیت اور فن، سوشلزم اور عصری تقاضے، نئے چراغ نئی روشنی، لغات فلسفہ ڈکشنری آف فلاسفی، قلزم افکار، کرامات حضرت امام رضا علیہ السلام۔ ۸

مقتلِ جاں:

مقتل جان میں غزلیں نظمیں اور قطعات شامل ہیں۔ خیال کہتے ہیں کہ مقتل جاں کی اشاعت میں میرا لہو شامل ہے۔ ۹

ے کہتا ضرور میں بھی غمِ دل، مگر خیالؔ — عنواں کے اعتبار سے قصہّ طویل ہے

☆

ے سو گیا وقت جگا کر شبِ ہجراں کا طِلسم — یہ خبر رات مرے مقتلِ جاں تک پہنچی ۱۰

گنبد بے در:

نسیم لیہ نے کہا ہے: ''کہ اس حوصلہ شکن قحط میں ''مقتل جاں'' اور گنبد بے در'' جیسی دقیع اور نظریاتی شعری تخلیقات متواتر کتابی شکل میں منظر عام پر لانے کی جسارت کے سلسلے میں ''ڈاکٹر خیال امروہوی کے سینے پر تمغہ تحسین چپکانے کو جی چاہتا ہے کہ انہوں نے ایسی پُر آشوب اور مصروف صدی میں کس طمانیت کے ساتھ ڈھیروں فلسفیانہ اشعار کہہ کر عوام کو ایسا قیمتی اثاثہ مہیا کیا کہ اگر وہ ان قیمتی افکار سے اپنی زندگی مالا مال کرنا چاہتے تو بغیر وقت وسعیٔ اپنی جھولی چاندی اور سونے سے بھر سکتے تھے۔ جلب منفعت سے یہ انحراف شاعر کی طبع فقیرانہ اور ان کی سچائیوں کا وہ ڈنکا ہے۔ جس کی گونج ہر صدی میں زندہ رہے گی۔ گنبد بے در ہنگامہ خیز اشاعت ہے''۔ ۱۱

لمحوں کی آنچ:

مخلوق نے تو اپنے غموں کی دہائی دی — لیکن امیر شہر کو سازش دکھائی دی
صدیوں کا قرب ذہن سے آ کر لپٹ گیا — جب بے کسوں نے جسم کی گاڑھی کمائی دی

خنجر سے جانے کس نے کلیجہ جدا کیا　　لوگوں کو صرف چیخ فضا میں سنائی دی
تم نے درآمدت تعیش میں کھو دیا　　بدحال قوم نے تمھیں پائی پائی دی
جھپٹیں گے اب کے لوگ عقابی محاذ سے　　پرچھائیں بھی جو اس کی دوبارہ دکھائی دے
اللہ کی طرف سے نہیں شان و طمطراق　　ہم نے تو پیٹ کاٹ کے تم کو خدائی دی

مزید کہتے ہیں ؎

''خودی'' کا نخلِ طوبیٰ رنگ اس جنت میں پھلتا ہے　　یہاں بے باکی افکار کا چشمہ اُبلتا ہے ۱۲

عصر بے چہرہ:

اس عہد بے نمود میں ڈاکٹر خیال امروہوی کا چوتھا مجموعہ کلام عصر بے چہرہ جس کے اشعار موسمی پھل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ خیال کا انداز بیان ایسا ہے۔ گویا وہ تیز وتند آندھیوں کے مقابل کھڑے رجز پڑھ رہے ہیں، ان کا لہجہ بلند آہنگ اور نغمہ نوید جنگ ہے۔

غاصبوں کی زد میں ہو جب حریت کا قافلہ　　ہم وہاں پر ضدِ استعمار ہو کر کیا کریں

یہ عہد جس کرب بے یقینی اور دردنا آسودگی میں مبتلا ہے۔ پختہ فکر اور بالغ شعور سخنور نے اس کی ترجمانی ایسے ہیجان آمیز لہجے میں کی ہے کہ قاری دنگ رہ جاتا ہے۔۱۳

تلخاب:

تلخاب کے بارے میں ظہیر کاشمیری لکھتے ہیں: ''ان کی شاعری کا اسلوب اور آہنگ اپنے ہم عصر شاعروں سے قدرے مختلف یوں ہے کہ نظریاتی تفکر کو اپنے فن کی بنیاد بناتے ہیں اور اپنے فکری استخراجات کے مطابق لفظ اور ترکیبیں تراشتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انکی شاعری میں ایسی نئی نئی تراکیب اور الفاظ کثرت سے مل جاتے ہیں جو ان کے ہم عصر شاعروں کی شاعری میں عام طور پر نظر نہیں آتے۔ لیکن اپنے نظریاتی تفکر کو بنیادِ فن بنانے کے باوجود اُن کے ہاں فکر وفن ایک دوسرے سے مماثل ہوتے ہیں اور ان کے فکر وفن میں تناقض، تخالف یا نہ پختگی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔۱۴

خیال امروہوی لاطینی امریکی ریاستوں سے لے کر مشرق بعید تک پھیلے ہوئے مجبور ومقہور عوام کے بہی خواہ ہیں اور وہ دُنیا بھر کی عوام (بشمول تیسری دُنیا کے عوام) کو متحد اور منظّم کر کے عالمی ''امپریلزم'' کو آخری شکست دینے کا خواب دیکھ رہے ہیں اور اس تابناک خواب کی تفصیلوں کو تسلسل کے ساتھ سلکِ شعر میں پرو رہے ہیں۔ انہیں اگرچہ ایک عرصے سے ''تھل'' کی دور افتادہ فضا میں پھینک دیا گیا ہے لیکن اُنہوں نے وہاں بھی ادب اور آگاہی کے گل بوٹے کھلا رکھے ہیں اور وہ اس خلوت گزینی کے عالم میں بھی دُنیا بھر کے عوام کے دلوں کی دھڑکنیں سنتے رہتے ہیں مجھے اُمید ہے کہ ''تلخاب'' جو جمالیات، ادبیات اور انقلابیات کا خوبصورت آمیزہ ہے۔ عوام پسند اور ادب پسند کارئین میں مقبول ہوگا اور انقلابی ادب کی تاریخ میں ایک معتبر اضافہ ثابت ہوگا''۔

تاریخ اپنے آپ کبھی لوٹتی نہیں حالات ہی بناتے ہیں تاریخ کا نصاب
رفتارِ عصرِ نو میں عقب ماندگی نہیں بڑھتا ہے ارتقاء کی طرف وقت کا عقاب
اب سازشی نظام نہ ہو گا زمین پر ابلیسیت پہ ٹوٹ کے برسے گا انقلاب ۱۵؎

چراغ فردا:

''چراغ فراد'' کے بارے میں ڈاکٹر خیال امروہوی کہتے ہیں۔ یہ مجموعہ اس لئے بھی نئے لکھاریوں کے کام آئیگا کہ یہ چراغ امروز نہیں بلکہ چراغ فردا ہے۔ چراغ فردا میں ایک سنجیدہ قاری کو وہی کچھ ملے گا جو قوانین فطرت، اسوۂ حسنہ اور اشتراکیت کا جزو لاینفک ہے۔

میں نے تاریخ تو لکھ دی ہے کھرے لفظوں میں حاشیے بعد میں لکھیں گے پرکھنے والے ۱۶؎

خیال امروہوی کے آخری دور کی شاعری ضرب کلیم کی شاعری ہے جس میں خطابت کا شکوہ اور تقریر کا بلند بانگ لہجہ زیادہ نمایاں ہے۔۱۷؎

خیال اور قوانین سحر:

''قوانین سحر'' کی ترکیب سے سیاسی شعور کی لہک آتی ہے۔۱۸؎

اگرچہ ریش شکم سے بھی نیچے آ پہنچی گئی نہ شیخ حرم سے قدیم عیاری ۱۹؎

غالب، دہلوی، اقبال لاہوری اور خیال امروہوی

غالب منہایت قدیم فلسفی شاعر ہے جس کا مدِ مقابل تا حال پیدا نہ ہو سکا۔ خیال ایک ایسے مفکر شاعر ہیں جن کے یہاں قدیم و جدید فلسفیانہ افکار کا امتزاج موجود ہے اور وہ اس لئے عظیم ہیں کہ انہوں نے ''نیٹشے'' کے برعکس قرآنی اخلاقیات سے ایک ایسا عظیم انسانی ہیولیٰ تراشا ہے جو پہلے کسی کے تصور میں نہیں آ سکا تھا۔ ان دو شعراء کے علاوہ عصر حاضر میں جدلی افکار و نظریت کی تراش خراش سے جس قسم کا نظریاتی انسان ڈاکٹر خیال پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ہر چند کہ اقبال ما بعد الطبعیاتی شاعر ہیں اور ڈاکٹر خیال مادی اور ''غیر ما بعد الطبیعاتی لیکن دونوں موجودہ معاشرے کے حریف نظر آتے ہیں جبکہ غالب نے فلسفیانہ بنیادوں پر معاشرے کے خلاف کوئی قابلِ ذکر محاذ قائم نہیں کیا بلکہ اُس نے فلسفیانہ تاویلات و توجیہات کے ذریعے ''انسان'' کو سمجھنے کی کوشش کی تھی۔۲۰؎

غالب جب زندہ تھے تو ان کی قدر کے ساتھ ساتھ ان پر الزامات اور کفر کے فتوے صادر ہوتے رہے اور ان کی موت کے بعد ان کو آفاقی شاعر انسانی سماج کا عظیم شاعر اور مفکر کہا گیا۔ یہی حال علامہ اقبال کا ہوا۔ زندگی میں کفر کے فتوے مرنے کے بعد شاعر مشرق، حکیم الامت، شاعر اسلام، مفکر پاکستان کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ یہ دور خیال کا ہے اور اُن کے ساتھ بھی وہی کچھ ہو رہا ہے جو غالب اور اقبال کے ساتھ ہوا۔ آپ کے بعد آپ کو کسانوں، مزدوروں، محنت کشوں مظلوموں اور محکوموں، بیکسوں کے شاعر کے نام سے یاد کیا جائے گا اور لوگ آپ کو شاعر فکر و انقلاب کے نام سے موسوم کریں گے۔۲۱؎ اس طرح ان کی شاعری براہِ راست عوام سے متعلق ہے یا یوں کہیے کہ انسان کی سماجی زندگی سے مربوط ہے۔۲۲؎

خیال کی غزل:

خیال امروہوی کی سوچ، اسلوب اور ڈکشن تمام ہندو پاک کے انقلابی شعراء سے منفرد ونمایاں ہے۔ وہ ایک شعر میں اپنی انفرادیت اظہار یوں کرتے ہیں:

تمام جسم مقید، نظام فکرِ اسیر اس ابتلا میں تو اکثر غلام جیتے ہیں ۲۳؎

خیال کا مشاہدہ، تجربہ وسیع اور فکر میں گہرائی ہے۔اس لیے وہ زندگی کے ہر پہلو پر بڑی سنجیدگی سے غور وفکر کرتے ہیں بلکہ افرادِ معاشرہ کو اُن کوتاہیوں کی نشاندہی بھی کرتے ہیں، جو اُن کے زوال کا سبب ٹھہریں۔

تمہاری کوتاہ قامتی کے کہو تو اسباب پیش کر دوں ضمیر کھوٹا، نگاہ چھوٹی، نظر کا انداز تاجرانہ ۲۴؎

لیکن سرمایہ دارانہ سماج میں ایسا نہیں ہوتا اس امر کی واضح علامت ہے کہ ہمارے سماج کی معاشی اور مفاداتی ساخت ہی ایسی ہے کہ ''تحفظ ذات'' اور صلاحیت کشی کا عمل جاری رہے۔اس کے لیے انقلاب کی ضرورت ہے تا کہ طبقاتی اور گروہی مفادات اجتماعی مفادات میں تبدیل ہو جائیں۔ ۲۵؎ خیال امروہوی کی شخصیت کے تین پہلو نمایاں ہیں ایک پہلو محقق کی حیثیت سے دوسرا اور تیسرا کالم نگار کی حیثیت سے۔ یہ الگ بات ہے کہ شخصیت کے یہ تینوں پہلو خود خیال کے لیے نہایت خوش آئند اور انتہائی قدر قیمت کے حامل ہونگے۔ ۲۶؎

سیاسی جماعوں کا یہ فرض نہیں کہ اپنے عہدے داروں کو قومی خزانہ خالی کر کے حج بیت اللہ پر روانہ کریں بلکہ اصل حج یہ ہے کہ لوگوں کے اقتصادی مسائل حل کرنے کیلئے ان سے کام لے، جبکہ صورتحال اس کے برعکس ہے۔ حج کا اصل مقصد صرف طوائف کعبہ نہیں بلکہ سالانہ مسلمانوں کے عالمی اجتماع کے ذریعے اقتصادی اور معاشرتی مسائل پر غور وغوض کرنا، اتحاد میں پختگی پیدا کرنا اور غربت، جہالت اور بے روز گاری کا انسداد بھی ہے۔لوگوں کو آب زم زم ضرور پلائیں، مردوں کے کفن پر بھی چھڑکیں لیکن اپنے ملک میں جہاں جہاں پانی نہیں ہے، اگر ہے تو کڑوا ہے، جراثیم سے بھرا اسے بھی تو آب زم زم بنائیں۔ ۲۷؎

خیال کی نظم نگاری:

خیال امروہوی وہ واحد نظم نگار ہیں جس نے اپنے فلسفیانہ تفکر سے نظم کو آفاقیت عطا کی۔ وہ بنیادی طور پر آمریت، فسطائیت کے نہ صرف خلاف ہیں، بلکہ اُس کے ہاں باغیانہ لہجہ گھن گرج کے ساتھ سنائی دیتا ہے۔ وہ دُنیا میں بسنے والے مجبور و مقہور انسانوں کی مشکلات کا سائیٹفنک حل چاہتے ہیں۔ وہ اپنا حلیہ سنوارنے کے بجائے مفلسوں کو سنوارنے کا عزم رکھتے ہیں۔ اُسے مظلوم طبقات سے نہ صرف محبت ہے بلکہ انہیں جینے کا عزم اور حوصلہ بھی دیتے ہیں۔ وہ اپنی ایک طویل نظم گونج (جسے شاعر نے تاریخی مادیت کے تناظر میں دیکھا ہے یہ ابتدائے آفرینش سے لیکر عصرِ حاضر تک کی سچی سرگزشت ہے۔ یہ نظم پہلے صدائے بازگشت کے نام سے شائع ہوئی تھی۔لیکن بعد میں چوتھے مجموعہ کلام عصر بے چہرہ میں گونج کے نام سے شائع ہوئی۔اس نظم میں شاعر نے فیوڈل ازم کے سازشی رویوں پر یوں طنز کیا ہے:

تیری پوشاکِ معطر کے نہاں خانے میں میری زحمت کے پسینے کی مہک شامل ہے
اپنی رعنائی عارض کی خبر لے جس میں ایک نادیدہ مشقت کی چمک شامل ہے ۲۸؎

خیال کا آئیڈیل انسان:

ہم ہیں اُس دور سے انساں کی صداقت کے وکیل　　جب کسی حلقۂ زنجیر میں جھنکار نہ تھی

''لینن'':

نظم لینن کے بارے میں خیال کہتے ہیں۔لینن جیسے عظیم دانشور، انقلابی اور تاریخ ساز شخصیت کو اگر کوئی ''انا کیش'' شاعر اور ادیب خراجِ عقیدت پیش کرے تو اُسے انتہائی مفتخر ہونا چاہیۓ۔ یہی صورتِ میری بھی ہے، میں نے لینن پر یہ نظم آج سے پانچ سال قبل شروع کی تھی۔لیکن دیگر ادبی تخلیقات میں، استغراق کی وجہ سے اُسے پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکا۔ چنانچہ ۱۹۶۰ء میں سمندِ فکر کو پھر مہمیز لگا اور اب یہ خراجِ تفکر مکمل صورت میں سامنے ہے!

این است کہ خوں کردہ و دل بُردہ بسی را　　بسم اللہ اگر تابِ نظر ہست کسی را ۲۹

☆

زندگانی، جرأتِ بے باک کی محتاج ہے　　آدمی کی بندگی ادراک کی محتاج ہے ۳۰

خیال صاحب کی شاعری عام طور پر علم وفکر اور منطق کی شاعری ہے جسے وہ احساس اور جذبات سے مزیّن کر کے کاری کے دل کو لوٹ لیتے ہیں۔زبان کے بارے میں بہت محتاط ہیں اور اپنے اظہار میں لفظوں کے انتخاب اور دروبست کا خاص خیال رکھتے ہیں ان کے کلام کے تمام محاسن ''لینن'' میں بھرپور طریقے سے موجود ہیں اور اسے ایک اعلیٰ جمالیاتی پیکر بنائے ہوئے ہے''۔۳۱

نظم گونج:

یہ نظم تاریخی مادیت کی روشنی میں کہی گئی ہے اس کا پس منظر ایک آواز ہے جو مشرق کے نشیبوں سے ابھرتی ہوئی گبند طبقات میں گونجتی محسوس ہوتی ہے۔ایک فن کار اپنے حریف استحصالی طبقے یا فرد سے مخاطب ہے جسے وہ آغاز تہذیب سے عصر حاضر تک کی سرگذشت سے روشناس کراتا ہے۔

بربط فکر پہ فن کار کا سنگیت بھی سن　　جس کا اسلوب ہے تخریب تمدن کا گواہ
روح افکار سمجھ، ندرت تقریر نہ دیکھ　　جس کی ترتیل سے انسان کا دل ہلتا ہے ۳۲

خیال کی نعتیہ شاعری:

خیال امروہوی بھی ترقی پسند شاعر ہیں۔موصوف اُن تمام نعت گوشعراء سے مختلف ہیں جنھوں نے روایت درروایت کو اپنایا لیکن خیال امروہوی رسولﷺ آفاقی اور انقلاب آفریں پیغام کو فلسفیانہ انداز میں نہ صرف پیش کرتے ہیں، بلکہ رب کائنات سے دعائیہ انداز میں یوں بھی کہتے ہیں:

عروجِ خاک بشر ہے ترا وجود منیر　　ترے خیال سے انساں عقیل بنتا ہے
تری ثناء میں جو پھوٹے کلام کا جھرنا　　وہ جوئے آب نہیں، سلسبیل بنتا ہے ۳۳

خیال کی مرثیہ نگاری:

خیال امروہوی بھی دورِ حاضر کے ایسے مرثیہ نگار ہیں، جنہوں نے روایت شکنی کر کے مرثیہ کو فلسفیانہ رنگ دیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ دینِ اسلام نے ملوکیت کی کبھی حمایت نہیں کی۔ اس لیے حضرت امام حسین علیہ السلام بھی ملوکیت کے سامنے آہنی دیوار بن گئے۔ کیونکہ حسینیت نام ہے حق وصداقت، صبرواستقامت، حریت اور بے پایاں ایثار وقربانی کا، اس لیے خیال امروہوی اپنی ایک نظم ''میرا حسین کیا نہیں'' کے ایک بند میں یوں کہتے ہیں:

حریف تھا وہ جبر کا		فراز تھا وہ صبر کا
شعاع شب شکن وہی		میرا حسین کیا نہیں، میرا حسین کیا نہیں

واقعہ کربلا جو مزاحمت کی سب سے روشن مثال ہے، لیکن مسلمانوں نے اُسوۂ شبیر پہ عمل کرنے کے بجائے اسے بطور فیشن اپنا لیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج مسلمان یزیدوں کے نرغے میں ذلت کی زندگی بسر کرنے پہ مجبور ہیں۔ خیال امروہوی اپنے مخصوص انداز میں یوں کہتے ہیں:

دُنیا غمِ حسین ابھی جانتی نہیں		قربانی عظیم کو پہچانتی نہیں
اظہار غم تو کرتی ہے فیشن کے طور پر		جو فلسفہ ہے اُس کا اُسے مانتی نہیں ۳۴

خیال کے کلام میں ذکرِ شراب:

عہدِ شباب میں مے نوشی بھی کی، لیکن گھر میں مٹکے بھر کے نہیں رکھے۔ رنگین مزاجی اور حسن پرستی میں بھی اپنا ثانی نہیں رکھتے۔

قبضے میں مرے ساغر جمشید نہیں ہے		پینا ہے تو پھر دور غریبانہ چلے گا
ہنسنے سے بھی اشکوں کی روانی نہیں رُکتی		اب کس کا یہاں سحر ظریفانہ چلے گا ۳۵

☆

کہاں یہ بخت کہیں رندِ باصفا مجھ کو		مرا تو بادہ گساروں میں بھی شمار نہیں ۳۶

☆

دیکھا جو صبح دم تو اُفق کے قریب تر		ساغر بے دست سامنے پروردگار تھا ۳۷

فارسیت:

ڈاکٹر صاحب کے ڈکشن میں فارسیت کا غلبہ ہے جس کی وجہ غالباً فارسی ماحول سے ان کی وابستگی ہے، ایران کے پانچ سالہ قیام نے ان کے مزاج میں فارسی کے رنگ ونکہت کے قافلے آباد کر دیئے ہیں، ان کے یہاں شعری دروبست فارسی ترتیب وترکیب کے سانچے میں ڈھلا ہوتا ہے مثلاً:

مآل نہضتِ اصلاح وحشت و کشتار		نمود جذبۂ تعمیر صرف در بدری

ان کی شاعری میں اگرچہ الفاظ مفرد حیثیت میں بھی ملتے ہیں لیکن زیادہ تر مرکبات کی شکل میں ہیں ان مرکبات میں

بالعموم اضافی، توصیفی اور عطفی ترکیبیں موجود ہیں۔۳۸

خیال اور معاشرہ:

خیال امروہوی ایک ایسا معاشرہ چاہتے ہیں کہ جس میں جاگیرداری، سرمایہ داری اور تھیوکریسی کا عمل دخل نہ ہو۔ کیونکہ تاریخ شاہد ہے کہ یہ طبقے انسانیت کے بدترین دشمن رہے ہیں۔ وطن عزیز میں بھی ان طبقات کی اجارہ داری ہے۔ جس سے عوامی زندگی جہنم بن کے رہ گئی ہے۔ بیوروکریسی کا منفی کردار اور مغربی پالیسیاں معاشرے کی تعمیر و ترقی میں رکاوٹ بنے رہے۔ ذاتی مفاد کی خاطر قومی مفاد کو قربان کر دیا گیا۔ درج ذیل اشعار سے بھی پاکستانی معاشرے کی داخلی صورت حال کی خوب ترجمانی ہوتی ہے۔

فصلِ گل میں بھی سلگتی ہے چمن کی نگری　　کون ظالم درِ گلشن پہ مقرر ہے ابھی
بھیک کا تیزاب ہو جس کے رگ و پے میں رواں　　شربتِ خود آگہی بھی اُس کے کام آئے گا کیا ۳۹

رفتارِ عصر:

تاریخ اپنے آپ کبھی لوٹتی نہیں　　حالات ہی بناتے ہیں تاریخ کا نصاب
رفتار عصر نو میں عقب ماندگی نہیں　　بڑھتا ہے ارتقا کی طرف وقت کا عقاب ۴۰

تنقیدی فرائض:

خیال کہتے ہیں: ’’میں ذاتی طور پر کسی بھی شاعر سے یہ توقع نہیں رکھتا کہ وہ جب تک میر و غالب نہ بن جائے عرض ہنر نہ کرے۔ زبان و بیان کی پختگی مشق سے اور اظہارِ فکر میں صلابت عمل اور عقلی تجربیت سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر آج کا شاعر سلیقے کے ساتھ اپنی بات عوام تک پہنچا رہا ہے تو اس کی حوصلہ افزائی ضروری ہے۔ اس کی قدر و منزلت میں اضافہ ہونا چاہیے کہ اس نے مصروف زندگی کے چند لمحات کو فکر و فن کیلئے وقف کیا۔ اس پر جارحانہ تنقید نہیں کرنی چاہیے جیسے عام رجعت پسند نقادوں کا شیوہ بن گیا ہے۔ ۴۱

بندۂ ناچیز کی علمی و ادبی عدیم الفرصتی کے باوجود شاعر برادری کی تصانیف پڑھ کر شعری انتخاب محض دردِ سر نہیں بلکہ دردِ جگر والی بات بھی ہے۔ محاسن اور معایب سخن کو علم عروض، علم بدیع اور علم بلاغت کی نظر سے دیکھنے اور پرکھنے کا دور تو ختم ہوا۔ اُردو شاعری کی مختلف اصناف کی فنی دشواریوں سے فرار اختیار کر کے یار لوگ ایسی نظمیں کہنے لگے جنہیں شاعری کہنا تو ایک طرف انہیں شعری اصناف میں داخل ہی نہیں کیا جا سکتا۔ نثری نظم نے الگ ناطقہ تنگ کر رکھا ہے۔ فیض اور ندیم بھی دستبرداری کا قبالہ لکھ چکے جس کا ردعمل یہ ہوا کہ لوگوں نے نہ صرف ہر دو شعراء کے بارے بڑے بڑے غلط ریمارکس دیئے بلکہ غالب اور اقبال کو بھی نہ بخشا۔ درحالیکہ کلاسیکی اساتذہ کا نہ آزاد نظم سے تعلق تھا نہ نثری نظم سے نہ ہائیکو وغیرہ سے۔ ۴۲

عصر حاضر کے شعراء خواہ اُردو کے ہوں، پنجابی، سندھی، بلوچی، کشمیری، براہوی یا کسی اور زبان کے لکھاری ہوں سبھی پاکستان کے باشندے ہیں اور پاکستانی سماجیات سے تعلق رکھتے ہیں، یہاں کی سیاست، معیشت غم اور خوشی، شکست و ریخت سے یکساں طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ بعض اہل قلم ملک کے تمام حالات کو سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔ بعض داخلی نظر سے اور

اکثر خارجی مہیجات کو اپنا نقطۂ فکر بناتے ہیں۔ ادب و سیاست کو لازم و ملزوم تصور کرتے ہیں، بہر حال بحیثیت شاعر یا نثر نگار سبھی سماج کے نقاد ہیں۔ غیر متوازن معاشرے کو نا پسند کرنے والے شعراء کی کمی نہیں۔ انسان کے بنیادی حقوق کی حمایت کرنے والوں کی اکثریت موجود ہے۔ غریبوں اور بیکسوں کے حامی اور غاصبوں کے سخت ترین دشمن شاعر و ادیب بھی زندہ ہیں۔ اس اعتبار سے ان سب کو مزاحمتی تخلیق کار ہی کہا جائیگا۔۴۳؎

خیال کا نظریہ تعلیم:

خیال امروہوی بنیادی طور پر ماہر تعلیم ہونے کے ساتھ ساتھ مارکسٹ بھی ہیں۔ اس لیے وہ ہر شعبہ زندگی کو جدلی مادیت کے تناظر میں دیکھتے ہیں۔ موصوف بغرض تعلیم پانچ سال ایران بھی رہے۔ وہاں کے تعلیمی اداروں کو نہ صرف دیکھا بلکہ روشن خیال اساتذہ سے کسب فیض بھی کیا۔ وہ بھی ایسی تعلیم پر زور دیتے ہیں کہ جس سے افرادِ معاشرہ کے ذہنوں کو جلا ملے، افکار کی تطہیر اور کردار کی تعمیر ہو، تاکہ وہ استحصالی قوتوں کے خلاف عملی جدوجہد میں اپنا بھر پور کردار ادا کریں اور اُن کے اندر تحمل، رواداری، اعتدال، مساوات اور عالمگیر اخوت و محبت کے جذبے اُجاگر ہوں۔۴۴؎

یہی مضمون اس شعر میں بیان کیا گیا ہے!

شکم ہی ڈھالتا ہے سارے اخلاق شکم میں لاکھ افسانے نہاں ہیں ۴۵؎

انہوں نے بڑے مؤثر پیرائے میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ فرد کی انسانی مرتبے سے یہ گراوٹ پورے معاشرے کو مسموم کر دیتی ہے۔ جھوٹ، ریاکاری، منافقت عام ہو جاتے ہیں۔ خودغرضی اور خود پرستی لوگوں کا شیوہ بن جاتی ہے۔ جائز و ناجائز کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ لوگوں مطلب براری کے لیے ہر حربہ استعمال کرتے ہیں اور یوں نسانیت ذلت کی انتہا تک پہنچ جاتی ہے۔۴۶؎

سوشلزم کی صرف وہی افراد اور حکومتیں مخالف ہوسکتی ہیں جو عوام کے بنیادی حقوق کو تسلیم نہیں کرتیں۔ ناجائز ذرائع سے دولت پیدا کرنا جائز خیال کرتی ہیں۔ ذاتی ملکیت اور وراثت کے قوانین کو قائم رکھنا چاہتی ہیں غریب کو غریب تر اور امیر کو امیر تر بناتی ہیں۔ مذہبی تعصب اور مفاخرت کو جاری رکھنا لازمی تصور کرتی ہیں اور جہالت، ناداری جسم فروشی کی حمایت کرتی ہیں۔ غرضکہ ہر برائی کو غریبوں کا مقدر اور ہر اچھائی کو اپنا حصہ مانتی ہیں۔ علاوہ ازیں دُنیا کا کوئی غریب باخدا شریف، محنت کش، غیور اور حیادار انسان سوشلزم کو ناپسند نہیں کر سکتا ہے۔۴۷؎

ڈاکٹر خیال امروہوی ''حضرت علی کا تصورِ ریاست''میں لکھتے ہیں: ''جسمانی طاقت میں بھی ایسے ایسے باکسر اور ''انوکی لاک'' لگانے والے، فری سٹائیل والے پہلوان پیدا ہوگئے ہیں کہ چند لمحوں میں مرحب و عنتر اور رستم دستاں وغیرہ کو اُڑا کر رکھدیں، لہذا جو لوگ حضرت علی کے علم کی تعریف باب العلم کہہ کر شروع کرتے ہیں با مقصد و کامرانی دین اسلام کے سلسلے میں انہیں ہر اول اور اشجع الناس اور انکے سیاسی اور حکمرانی کے طریقہ معدلت کو حرف آخر تصور کرتے ہیں۔ بطور عقیدت اس میں ذرہ بھر شک و شبہہ کی گنجائش نہیں۔ حضرت علی تمام دنیا کیلئے انتہائی، محترم، مکرم، معلم، محتشم تھے، ہیں اور رہیں گے ان کی تمام داخلی صفات اور خارجی ارتفاعات جیسا کہ (تواریخ میں بتایا جاتا ہے) آج بھی ہر شعبہ حیات پر حاوی بلکہ لازمی ہے''۔۴۸؎

پھر کہتے ہیں حق اور صداقت کے پرستار کبھی نہیں ڈرتے نہ وہ مرتے ہیں بلکہ ان کی موت ہزاروں کی زندگی کا سبب بن

جاتی ہے۔حسینیت کو مٹانے کی کتنی کوشش نہ ہوئی بلکہ آج بھی وہی سلسلہ جاری ہے لیکن حُسینیت کے علمبرداروں کی ایک فی صد کمی واقع نہ ہوسکی۔ کیونکہ حُسینیت سچائی کا نام ہے۔کوئی قوت صداقت کو نیست و نابود نہیں کرسکتی۔ ۴۹؎

ہرسمت خاندان نبوت امامت کا فانوس جگمگا رہا ہے، جس نے دیکھا اسے معرفت حاصل ہوئی۔ وہی درجات پُرثمر پا رہا ہے، جہالت علم کو برداشت نہیں کرسکتی، منافقت سچائی کو پھلتا پھولتا دیکھ نہیں سکتی۔ چراغ جلتے رہتے ہیں، اندھیرے ہاتھ ملتے رہتے ہیں، سچائی کے قاتل خود مرغ بسمل کی طرح لہو میں لوٹتے مرگئے۔عرفان و آگہی کو روندنے والے عالم ناسوت کی دلدل میں پھنس کر رہ گئے۔ ۵۰؎

حواشی:

۱۔ نیا قدم انٹرنیشنل، ادارہ نیا قدم پہاڑ پور لیہ، جون ۲۰۱۰ء، ص: ۹۲
۲۔ غالب، اقبال اور خیال میری نظر میں از حکیم سید عبدالمجید راھی، ملتان: ناشر شمع ادب، ۱۹۸۲ء، ص: ۶۹
۳۔ ایضاً، ص: ۱۲۵
۴۔ نیا قدم انٹرنیشنل، ادارہ نیا قدم پہاڑ پور لیہ، ۲۰۰۰ء، ص: ۱۳
۵۔ ایضاً، ص: ۱۴
۶۔ خیال امروہوی، ڈاکٹر، ''لمحوں کی آنچ''، لیہ مظفر گڑھ: ناشر شاہد پرویز پبلی کیشنز سرکلر روڈ، اپریل ۱۹۸۰ء ص: ۱۷
۷۔ اقتباس از ماہنامہ فانوس لاہور اگست ۱۹۷۵ء بعنوان ''شیرِ خیال میں عنصر حرکت وحرارت''
۸۔ ''نئے اُفق نئی کرنیں''، کلیات ۱۹۸۷ ڈاکٹر خیال امروہوی، لاہور: مکتبہ میری لائبریری، نمبر۲، ۱۹۸۵ء
۹۔ مقتلِ جان از ڈاکٹر خیال امروہوی، لاہور: ناشر اقبال اینڈ برادرز، ۱۹۶۷ء، ص: ۲
۱۰۔ ایضاً، ص: ۱۶
۱۱۔ خیال امروہوی، ڈاکٹر، ''لمحوں کی آنچ''، لیہ مظفر گڑھ: ناشر شاہد پرویز پبلی کیشنز سرکلر روڈ، اپریل ۱۹۸۰ء ص: ۱۰۴
۱۲۔ ایضاً، ص: ۱۷۔۶۴
۱۳۔ کلیاتِ ڈاکٹر خیال امروہوی ۱۹۸۷ ''نئے اُفق نئی کرنیں''، لاہور: مکتبہ میری لائبریری، نمبر۲، ۱۹۸۵ء، ص: ۱۳
۱۴۔ تلخاب مکتبہ میری لائبریری لاہور ۲ ناشر بشیر احمد چوہدری سال اشاعت ۱۹۸۸ء، ص: ۲
۱۵۔ ایضاً، ص: ۷۷
۱۶۔ طلوعِ فردا از ڈاکٹر خیال امروہوی ماہانہ سپوتنک چوک ریگل دی مال لاہور فروری ۲۰۰۵ء، ص: ۱۶
۱۷۔ شاہ سعید احمد گیلانی، پروفیسر ماخوذ از روزنامہ آفتاب ملتان مورخہ ۰۳ دسمبر ۱۹۷۷ء مقالہ بعنوان: صدائے انقلاب اور

ڈاکٹر خیال امروہوی
۱۸۔ قوانینِ سحر از ڈاکٹر خیال امروہوی ناشر کلاسیک دی مال لاہور مئی ۱۹۹۶ء، ص: ۱۰
۱۹۔ ایضاً، ص: ۳۰
۲۰۔ سید عبدالمجید راہی حکیم، غالب، اقبال اور خیال میری نظر میں ناشر شمع ادب ملتان ۱۹۸۲ء، ص: ۲ تا ۵
۲۱۔ ''نئے اُفق نئی کرنیں''، کلیات ۱۹۸۷ ڈاکٹر خیال امروہوی مکتبہ میری لائبریری لاہور نمبر ۲، ۱۹۸۵ء، ص: ۱۶
۲۲۔ غالب، اقبال اور خیال میری نظر میں از حکیم سید عبدالمجید راھی ناشر شمع ادب ملتان ۱۹۸۲ء، ص: ۱۱۷۔ ۱۱۸
۲۳۔ لازماں سے زماں تک از جسارت خیالی ناشر آغا میر حسین کلاسیک، چوک ریگل (مال) لاہور مئی ۲۰۰۶ء ص: ۴۵
۲۴۔ ایضاً
۲۵۔ سوشلزم اور عصری تقاضے از ڈاکٹر خیال امروہوی ناشر آغا میر حسین کلاسیک، چوک ریگل (مال) لاہور، دسمبر ۲۰۰۲ء، ص: ۴۸
۲۶۔ شعلہ تحریر مرتب: پروفیسر نسیم عالم زیب (تحریڈاکٹر خیال امروہوی) ناشر آغا میر حسین کلاسیک چوک ریگل (مال) لاہور، اکتوبر ۱۹۹۹ء، ص: ۵
۲۷۔ نسیم عالم زیب، پروفیسر مرتب شعلہ تحریر (تحریڈاکٹر خیال امروہوی) ناشر آغا میر حسین کلاسیک چوک ریگل (مال) لاہور، اکتوبر ۱۹۹۹ء، ص: ۴۷
۲۸۔ جسارت خیالی ''لازماں سے زماں تک''، ناشر آغا میر حسین کلاسیک، چوک ریگل (مال) لاہور، مئی ۲۰۰۶ء، ص: ۵۳۔ ۵۴
۲۹۔ ''لینن''، از ڈاکٹر خیال امروہوی ناشر تحریک انسانی حقوق لاہور، مئی ۱۹۶۶ء، ص: ۴
۳۰۔ خیال امروہوی ڈاکٹر ''لینن''، ناشر تحریک انسانی حقوق لاہور، مئی ۱۹۶۶ء، ص: ۱۵۔ ۱۹
۳۱۔ ''نئے اُفق نئی کرنیں''، کلیات ۱۹۸۷ ڈاکٹر خیال امروہوی، مکتبہ میری لائبریری لاہور، نمبر ۲، ۱۹۸۵ء، ص: ۴۳
۳۲۔ قوانینِ سحر از ڈاکٹر خیال امروہوی ناشر کلاسیک دی مال لاہور، مئی ۱۹۹۶ء، ص: ۱۸۹
۳۳۔ لازماں سے زماں تک از جسارت خیالی ناشر آغا میر حسین کلاسیک، چوک ریگل (مال) لاہور، مئی ۲۰۰۶ء، ص: ۳۰۔ ۳۱
۳۴۔ ایضاً، ص: ۴۰۔ ۴۱
۳۵۔ طلوعِ فردا از ڈاکٹر خیال امروہوی ماہانہ سپوتنک چوک ریگل دی مال لاہور، فروری ۲۰۰۵ء، ص: ۳۷۔ ۴۲
۳۶۔ ''شجرِ سایہ دار صحرا کا''، مرتب: طاہر تونسوی ناشر مکتبۂ عالیہ، ایبک روڈ (انار کلی) لاہور، ۱۹۷۷ء، ص: ۶۴
۳۷۔ خیال امروہوی، ڈاکٹر، ''مقتلِ جاں''، ناشر اقبال اینڈ برادرز، لاہور، ۱۹۶۷ء، ص: ۱۴۱۔ ۱۵۰
۳۸۔ غالب، اقبال اور خیال میری نظر میں از حکیم سید عبدالمجید راہی، ناشر شمع ادب ملتان، ۱۹۸۲ء، ص: ۱۱۷
۳۹۔ جسارت خیالی ''لازماں سے زماں'' تک ناشر آغا میر حسین کلاسیک، چوک ریگل (مال) لاہور، مئی ۲۰۰۶ء، ص: ۶۶۔ ۶۷
۴۰۔ ڈاکٹر خیال امروہوی، ''قوانینِ سحر''، ناشر کلاسیک دی مال لاہور، مئی ۱۹۹۶ء، ص: ۱۳۳۔ ۱۵۹۔ ۱۷۸
۴۱۔ کہکشاں در کہکشاں از ڈاکٹر خیال امروہوی، ماہانہ سپوتنک چوک ریگل دی مال لاہور، مئی ۲۰۰۴ء، ص: ۵۶۔ ۵۷

۴۲۔ ایضاً،ص: ۹۰

۴۳۔ ایضاً،ص: ۹۸

۴۴۔ جسارت خیالی ''لازماں سے زماں'' تک ناشر آغا میر حسین کلاسیک، چوک ریگل (مال) لاہور، مئی ۲۰۰۶ء،ص: ۷۷،۹۴

۴۵۔ سہ ماہی نیا قدم انٹرنیشنل، ادارہ نیا قدم پہاڑ پور لیہ، ۲۰۰۰ء،ص: ۲۲۔۲۳

۴۶۔ سوشلزم اور عصری تقاضے از ڈاکٹر خیال امروہوی، ناشر آغا میر حسین کلاسیک، چوک ریگل (مال)، لاہور، دسمبر ۲۰۰۲ء، ص: ۱۵۲۔۱۵۳

۴۷۔ ایضاً،ص: ۲۴

۴۸۔ حضرت علیؓ کا تصور ریاست ''نہج البلاغۃ کی روشنی میں'' از ڈاکٹر خیال امروہوی، ناشر کلاسیک چوک ریگل دی مال، لاہور، سن مارچ ۲۰۰۰ء،ص: ۹

۴۹۔ شاہد ملک، ''کربِ نا تمام''، ناشر محسن نقوی اکادمی بلال نگر ملتان، جنوری ۱۹۹۷ء،ص: ۵۶

۵۰۔ ''کرامات حضرت امام رضا''، از ڈاکٹر خیال امروہوی، ناشر آغا میر حسین کلاسیک، چوک ریگل (مال)، لاہور، جنوری ۲۰۰۳ء،ص: ۷۹